محمد مسعود عالم قاسمی

تبجیل التنزیل: ایک تحقیقی مطالعہ

["عالم اسلام اور عیسائیت" کے پچھلے شمارے میں زیرِ نظر مقالے کی پہلی قسط شائع ہوئی تھی۔ زیرِ نظر دوسری اور آخری قسط پر مقالہ مکمل ہو گیا ہے۔ مدیر]

آسمانی کتابوں میں تحریف کی نوعیت

قرآن و حدیث سے یہ ثابت ہے کہ اہل کتاب نے آسمانی کتابوں میں اپنی خواہش کے مطابق تحریف کی ہے، مگر یہ تحریف کس نوعیت کی ہے؟ یہ تحقیق طلب مسئلہ ہے۔ کیا یہ تحریف لفظی ہے یا معنوی یا لفظ و معنی دونوں اعتبار سے تحریف کی گئی ہے؟ مصنف "تبجیل التنزیل" نے جابجا اس پر گفتگو کی ہے۔

مصنّف نے ان مصنفین پر سخت تنقید کی ہے کہ جو توریت و انجیل کو اصل نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

> جن محققین نے توریت و انجیل میں تحریف کے ثبوت میں کتابیں لکھی ہیں، انہوں نے مسلمانوں کے بجائے اہل کتاب کو متاثر کرنے کے لیے ان کتابوں کی تشہیر کی ہے، مسلمانوں کو ان کتابوں سے صرف اتنا فائدہ ہے کہ وہ ان کے ذریعہ اہل کتاب سے مناظرہ کریں بس۔ یہ لوگ لفظ تحریف سے سمجھتے ہیں کہ اگر اصل کتاب موجودہ نہ ہوتی تو تحریف کس چیز میں ہوتی۔ کیونکہ کسی بھی جعلی کتاب میں تحریف کی حاجت نہیں ہوتی، اور اگر یہ تمام کتب مقدسہ موجود ہیں ان کی کیا وقعت باقی رہے گی، حالانکہ مولانا عبدالرحمن جامی نے "شواہد نبوت" میں محمد ﷺ کے ثبوت رسالت میں بہت سی بشارتیں توریت و انجیل اور صحفِ انبیاء سے نقل کی ہیں اور اکثر مصنفینِ اسلام کا یہی معمول رہا ہے [۲۳]۔

مصنف نہ صرف آسمانی کتابوں کو اصلی مانتے ہیں، بلکہ وہ قرآنی آیات سے استدلال بھی کرتے ہیں، مثلاً ولا تنکحوا المشرکات حتی یومن (البقرہ: ۲۲۱) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

> یہودی اور نصرانی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے اور یہود و نصاریٰ سے رشتہ داری اور

مناکحت روا ہے، ان کو اللہ تعالیٰ نے مشرک نہیں قرار دیا، اس لیے کہ وہ کتبِ الٰہیہ کو پڑھتے ہیں۔ اگر یہ کتابیں بغیر تبدیلی کے اصلی حالت پر نہ ہوتیں تو ان کے پڑھنے والے کیوں اس شرف سے ممتاز ہوتے کہ ان سے رشتہ داری اور مناکحت جائز قرار دی گئی[۲۴]۔

مصنف کی نظر میں توریت و انجیل کی تحریف معنوی نوعیت کی ہوئی ہے، یعنی یہ تحریف ترجمہ، معانی اور تعبیر و تشریح سے تعلق رکھتی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

مفسرینِ اسلام نے یہودیوں پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں کلام اللہ میں تحریف کی، جب کہ اس عہد میں کس کی مجال تھی کہ توریت میں ایک حرف بھی کم یا زیادہ کرتا۔ اس جگہ "یحرفونہ" کا اصل مطلب اور تحریف کی صحیح کیفیت واضح ہوتی ہے کہ تحریف سے مراد معنوی تحریف ہے اور قرآن مجید میں لفظ تحریف اس معنی میں استعمال ہوا ہے کہ یہود مسلمانوں اور عیسائیوں کے سلسلہ کی بعض آیات کی غلط تاویل کر کے تحریف کرتے ہیں، نہ یہ کہ متن کتاب میں کوئی حرف کم یا زیادہ کرتے ہیں[۲۵]۔

اس سلسلہ میں انہوں نے امام رازی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے اقوال کو بطور ثبوت پیش کیا۔ مثلاً قد کان فریق منھم یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونہ (البقرہ:۷۵) کی تفسیر کرتے ہوئے "الفوز الکبیر" سے شاہ ولی اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "جہاں تک تحریف کا سوال ہے تو وہ ترجمہ اور ان کی امثال میں کرتے تھے نہ کہ اصل توریت میں۔" نیز امام رازی کی "تفسیر کبیر" سے یہ اقتباس پیش کیا ہے کہ "تحریف کا مطلب تاویلِ باطل بھی ہو سکتا ہے اور تبدیلی لفظ بھی اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ پہلی بات زیادہ درست ہے، کیونکہ تواتر کے ساتھ نقل کی گئی کتابوں میں لفظ کی تبدیلی نہیں ہو سکتی[۲۶]۔"

مصنف نے ایک جگہ علامہ سیوطی کی تفسیر "الدرالمنثور" سے وہب بن منبہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "توریت و انجیل کو اللہ تعالیٰ نے جیسا نازل کیا ہے اس میں ایک بھی حرف کی تبدیلی نہیں ہوئی، لیکن اہل کتاب لوگوں کو تحریف و تاویل اور ان کتابوں کے ذریعہ گمراہ کرتے ہیں جن کو خود لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے[۲۷]۔"

مصنف نے آسمانی کتابوں میں تحریف معنوی کو تسلیم کرنے کے ساتھ تحریف لفظی کو بھی فی الجملہ تسلیم کیا ہے۔ اگرچہ یہ تحریف ان کی نظر میں ایسی نہیں جس کے باعث توریت و انجیل کو ساقط الاعتبار کہا جائے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

اہلِ کتاب سے مناظرہ کی کتابوں میں محققینِ نصاریٰ کے حوالوں سے میں لکھ چکا ہوں کہ

تحریف لفظی بھی تورات و انجیل میں ہوئی ہے، خواہ وہ کاتبوں کی غلطی سے ہوئی ہو یا خدا ناترسوں کی شرارت سے۔ لیکن اس مقدار کی نہیں کہ یہ مقدس کتابیں لائق اعتبار ہی نہ رہی ہوں، جب کہ تمام قصے، احکامات، قوانین، ہدایات اور بشارات حق کا تذکرہ قرآن میں ان کتب مقدسہ کے حوالہ سے کیا گیا ہے یا ان کتابوں میں ان کی موجودگی بتائی گئی ہے، وہ سب ان کتابوں میں موجود ہیں یہاں تک کہ بہت سی جگہوں پر الفاظ کی بھی مطابقت پائی جاتی ہے[۲۸]۔"

اہلِ کتاب کی تاریخ اور جغرافیہ

اس تفسیر میں اہلِ کتاب کی تاریخ اور قرآن کے تاریخی مقامات اور ان کے جغرافیہ کی عربی، عبرانی وفارسی کی مستند کتب سے تفسیر بیان کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ان میں بیشتر ماخذ وہ ہیں جو خود یہود و نصاریٰ کے نزدیک اہم شمار کیے جاتے ہیں۔

واذ نجیتکم من ال فرعون یسومونکم سوء العذاب (البقرہ:۴۹) کے ضمن میں مصنف نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پوری سرگزشت، قرآن، بائبل، دبستان مذاہب، لغاتِ بائبل، تاریخِ یوسف اور عیسائیوں کی دیگر کتب کے حوالہ سے بیان کی۔

ویقتلون النبیین بغیر الحق (البقرہ:۶۱) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ (بنی اسرائیل نے) زکریا، یحییٰ اور یسعیاہ جیسے نبیوں کو قتل کیا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے نہیں بلکہ ہیروڈوٹس بادشاہ ادومی نے قتل کیا تھا (توایخ کلیسا، مطبوعہ ۱۸۵۶ء، ص ۸۹) اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ بخت نصر نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قاتلین سے انتقام لیا، یہ بھی صراحتاً غلط ہے، کیونکہ بخت نصر حضرت یحییٰ علیہ السلام سے چھ سو سال قبل تھا[۲۹]۔

اسی طرح سینا کا جغرافیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

سینا کا پہاڑ جزیرہ نمائے عرب کے ایک ملک میں واقع ہے۔ اس کی ایک جانب بحر قلزم اور دوسری جانب خلیج اقابہ (عقبہ) ہے۔ اس جزیرہ کے درمیان میں ایک کوہستانی سلسلہ ہے جو مغربی طرف چلا گیا ہے۔ اہل عرب اس کو الطائی کہتے ہیں، اس سلسلہ کوہستان کے جنوب اور اس کے عین وسط میں بہت سے پہاڑ ہیں، اس سے سینا، حوریب اور فاران ملحق ہیں، لیکن یہ پہاڑ الطائی کوہستان سے ملے ہوئے نہیں ہیں اور باہم ممتاز ہیں، کیونکہ ان کے درمیان ریگستانی وادی حائل ہے اور الطائی کے مقابلہ میں یہ پہاڑ زیادہ بلند ہیں اور ان کا طول و عرض بیس کروہ سے کم نہ ہوگا[۳۰]۔

واذقلنا ادخلو هذه القریته (البقرہ:۵۸) کی تفسیر کرتے ہیں کہ:

اس گاؤں کا نام یریحو تھا، یہ بیت المقدس کے شمال مشرق میں بیس میل اور اردن سے چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس کے متصل قوزیتہ کا پہاڑ ہے جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس روز تک صائم رہے[۳۱]۔

قرآنی اصطلاحات اور اعلام کی تحقیق

مصنف نے حسب ضرورت قرآن کے الفاظ و اصطلاحات اور اعلام کی تحقیق کی ہے، اور ان کے عربی، عبرانی، فارسی، سنسکرت اور یونانی وغیرہ ماخذ کی نشاندہی کی ہے، ان اصطلاحات کے معاملہ میں جن کا تعلق غیر عربی زبان سے ہے، یعنی معرب الفاظ کے سلسلہ میں مصنف کو امتیاز حاصل ہے۔ مثلاً لفظ آدم جو قرآن میں بار بار آتا ہے، اس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ:

آدم عبرانی لفظ ہے جس کے معنی سرخ مٹی کے ہیں۔ چنانچہ ادوم سرخ کو کہتے ہیں۔ توریت میں ہے کہ اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا[۳۲]۔

حوا کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ:

جب اللہ نے آدم کے پہلو کی ہڈی سے حوا کو پیدا کیا اور آدم کے سامنے پیش کیا تو آدم نے کہا کہ اس کا جمال میری ہڈی جیسا ہے اور اس کا گوشت میرا گوشت ہوگا۔ اس وجہ سے اسے نساء کہا گیا، کیونکہ وہ انسان سے لی گئی ہے۔ اس وقت تک آدم کی عورت کا نام نساء ہی تھا، اسے حوا نہیں کہا گیا تھا، کیونکہ ابھی توالد و تناسل کا سلسلہ نہیں ہوا تھا اور عرف میں زندوں کی ماں کو حوا کہا جاتا ہے[۳۳]۔

ابراہیم، یعقوب اور اسرائیل کی تحقیق کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

چونکہ حضرت یعقوب اور حضرت عیص توام (جڑواں) پیدا ہوئے تھے۔ پہلے حضرت عیص پھر حضرت یعقوب اس طرح کہ حضرت یعقوب کا ہاتھ حضرت عیس کے تلوے پر تھا، اس لیے ان کا نام یعقوب یعنی تعاقب کرنے والا رکھا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے ابرام کہا جاتا تھا، یعنی پدرِ اعلیٰ، اور جس وقت اللہ نے حضرت سارہ کے بطن سے لڑکا عطا کرنے کا وعدہ کیا تھا، اس وقت ان کو ابرہام سے موسوم کیا، یعنی گروہ عظیم کا باپ جس کا معرب ابراہیم ہے۔

جس رات حضرت یعقوب امتحان میں کامل اترے، ان کو اسرائیل سے موسوم کیا۔ اسراء کے معنی شاہزادہ، اسی طرح سارہ بمعنی شاہزادی اور ئیل کے معنی خدا[۳۴]۔

فرعون کی تحقیق اس طرح کی ہے۔

اُس زمانہ میں مصر کے بادشاہوں کو فرعون کہا جاتا تھا، چنانچہ دس فرعون حکمران ہوئے۔ پہلا فرعون حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں تھا، اور آخری فرعون یہودی بادشاہ صدقیاہ کے عہد میں گزرا۔ فرعونِ اوّل کا نام سلتیس اور آخری فرعون کا نام اپریس تھا۔ اس کے بعد فرعون کا لقب شاہانِ مصر نے ترک کر دیا۔ اور فرعون کے معنی انتقام لینے والا، مگرمچھ اور آفتاب ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں دو فرعون گزرے، ایک وہ جس کے عہد میں موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں قبطی مارا گیا، دوسرا وہ جسے آپ نے اللہ کا پیغام پہنچایا[35]۔ دیگر محققین نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں دو فرعونوں کا وجود تسلیم کیا ہے، مگر وہ اول کا نام رعمسیس دوم اور ثانی کا منفتاح بتاتے ہیں جو مصنف کے ذکر کردہ نام سے مختلف ہے۔ عہد موسیٰ علیہ السلام میں دو فرعونوں کا ذکر خود توریت میں بھی موجود ہے، مگر بعض معاصر مصنفین نے بدلائل ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ عہد موسیٰ علیہ السلام میں دو نہیں بلکہ ایک ہی فرعون گزرا ہے[37]۔

نصاریٰ کی تحقیق کرتے ہیں:

اکثر انبیاء علیہم السلام کے نام قرآن مجید میں معرب ہیں۔ چنانچہ ابرہام کو ابراہیم، اضحاک کو اسحاق، عزرا کو عزیر، یوحنا کو یحییٰ، یسوع کو عیسیٰ اور ساول کو طالوت کہا گیا ہے، چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وطن ناصرہ تھا جو ملک کنعان میں تھا۔ اس لحاظ سے عیسیٰ علیہ السلام کو ناصری اور ان کی امت کو نصاریٰ اور نصرانی کہا گیا ہے[38]۔

فردوس کی وجہ تسمیہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

فردوس زمانہ قدیم میں ایران کے مشرقی سمت میں شاہی باغ تھا، جسے فارسی میں بردوس کہا جاتا تھا۔ فردوس اسی کا معرب ہے۔ یہ لفظ سنسکرت میں پردیشا ہے اور یونانی میں پروائز ہے اور اس کے معنی ان تمام زبانوں میں میوہ سے بھرا ہوا باغ ہے[39]۔ (یہی لفظ انگریزی میں Paradise ہو گیا ہے) اسی طرح انھوں نے جہنم کی وجہ تسمیہ بھی بیان کی ہے[40]۔

قدیم و معاصر مفسرین پر تنقید

اس تفسیر میں مصنف نے جابجا قدیم و معاصر مفسرین سے اختلاف کیا ہے، ان کی آراء پر نقد کیا ہے اور دلیل کے ساتھ ان کی کمزوریوں کی نشاندہی کی ہے۔

مصنف نے کہیں تو نام کی صراحت کے ساتھ دیگر مفسرین پر نقد کیا ہے اور کہیں نام کی صراحت کے بغیر عمومی طور پر نقد کیا ہے۔ چنانچہ وعهدنا الى ابراهيم واسماعيل ان طهرا بيتي

للطائفین والعاکفین (البقرہ:۱۲۵) کے ضمن میں لکھا ہے:

مفسرین نے کعبہ کے بیان میں عجیب و غریب روایات بیان کی ہیں کہ آسمان پر فرشتوں کی ایک جائے طواف تھی اور زمین کے نیچے ساتویں طبقہ میں اس کے بالمقابل بنیاد رکھ کر اس پر طواف گاہ کو رکھا گیا۔ فاکہی نے "تاریخ مکہ" اول میں ایک حدیث نقل کی ہے جس کے آخر میں ہے کہ کعبہ کو وسط زمین میں بنایا گیا۔ جب ان روایات کی کسی بھی آسمانی کتاب میں نشانی نہیں ہے تو ان راویوں کو کہاں سے معلوم ہوا کہ فلاں فلاں واقعہ رونما ہوا۔ اور اگر کعبہ کی عمارت کرہ ارض کے وسط میں ہوتی تو یقیناً وسط حقیقی یعنی خط استوا پر واقع ہوتی، حالانکہ وہ خط استوا سے بیس درجہ جانب شمال میں واقع ہے۔ نیز آباد زمین کے بیچ میں بھی نہیں ہے، کیونکہ نہ تو اقلیم دوم ہے اور نہ درجہ چہارم، حیران ہوں کہ فضیلت کعبہ یا فضیلت اسلام کے صحیح اور معتبر دلائل کیا کم تھے کہ اس کا انحصار بے بنیاد روایتوں پر کر لیا گیا۔ اس ناجائز تدبیر سے اسلام کو جو نقصان ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ لوگ جب ذرا سے غور و فکر سے ان روایات کو بے اصل ہونا معلوم کر لیتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ دین اسلام کی انہی مصنوعی چیزوں پر بنیاد ہے۔ نیز جب اس طرح کی غلط روایات نے بکثرت شہرت پالی تو اسلام کے صحیح اور اصلی فضائل لوگوں کے دلوں سے محو ہو گئے اور محققین کو جھوٹ کے اس انبار میں صحیح روایات کو تحقیق کرنا سخت مشکل ہو گیا[۴۱]۔"

اس ضمن میں انہوں نے ابو نعیم اصفہانی، ازرقی، اور ابن عساکر وغیرہم کی اس بات پر گرفت کی ہے کہ بنی اسرائیل کے لاکھوں لوگ خانہ کعبہ حج کے لیے آتے، اور یہاں پہنچ کر برہنہ ہو جاتے، اور یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی خانہ کعبہ حج کے لیے آتے تھے۔ مصنف کی نظر میں یہ بیانات خلاف واقعہ ہیں، کیونکہ بنی اسرائیل کے لیے بیت المقدس کافی تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حواریین عیسیٰ علیہ السلام کا خانہ کعبہ آنا ثابت نہیں ہے[۴۲]۔

مصنف نے خصوصیت کے ساتھ سرسید احمد خاں کی تفسیر قرآن پر تنقید کی ہے اور ہر جگہ سرسید کو نیچری کے لفظ سے یاد کیا ہے، بلکہ اس لقب کے استعمال کی وجہ بھی بیان کی ہے، علامہ ناصر الدین کی ایک مستقل کتب بعنوان "تنقیح البیان بجواب تفسیر القرآن" سرسید کی تفسیر قرآن کی تردید میں شائع ہو چکی ہے، اس کے باوجود انہوں نے تجمیل التنزیل میں سرسید کا تعاقب کیا ہے اور تفسیر قرآن کے علاوہ سرسید کی دوسری کتابوں مثلاً "تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علیٰ ملۃ الاسلام" وغیرہ پر نقد کیا ہے۔ مثال کے طور پر حروف مقطعات کی تفسیر کے ذیل میں سرسید پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

صاحبِ تفسیر القرآن نیچری نے اپنی عجب عقل مندی ظاہر کی ہے کہ الم کو سورۃ بقرہ کا نام کہہ دیا ہے۔ اس قیاس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہر وہ سورۃ جس کے آغاز میں الم واقع ہے اس کا نام سورۃ بقرہ ہو۔ زبور میں ہے کہ اے خداوند میرا قلب بلند اور میری آنکھیں رفیع نہیں ہیں تیرے عظیم و عجیب افعال میں اپنے منصب سے مداخلت نہیں کروں گا"۔ (زبور ۱۳۱:۱) [۴۳]۔

ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک قال انی اعلم مالا تعلمون (البقرہ: ۳۰) کے ضمن میں سرسیّد پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

نیچری نے تفسیرِ القرآن میں ملائکہ کے وجود کا انکار کیا ہے اور اس نص کو محض فرضی بیان قرار دیا ہے، لہذا ناظرین کو چاہیے کہ تنقیح البیان جو کہ تفسیر القرآن (مولفہ سرسیّد احمد خاں) کا جواب ہے، ملاحظہ فرمائیں کیونکہ اس تفسیر میں ان بحثوں کو لکھنے کی گنجائش نہیں ہے، مختصر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام کتابوں میں خواہ وہ توریت ہو، انجیل ہو، صحفِ انبیاء ہوں یا قرآن حتیٰ کہ آتش پرستوں کی کتاب ژند اور دوسرے مذاہب میں فرشتوں کا تذکرہ بصراحت موجود ہے۔ اس لیے اس سے زیادہ ملائکہ کے وجود کی کیا سند ہو گی، مگر منکرین کو بجز ان کے دماغ کے خبط کے کوئی دلیل نہیں ہے [۴۴]۔

ایک جگہ سرسیّد اور عیسائی پادری دونوں پر نقد کیا ہے۔ اس ضمن میں فاخذتکم الصعقۃ وانتم تنظرون (البقرہ: ۵۵) کی تفسیر ملاحظہ ہو [۴۵]۔

سرسیّد پر تنقید کرنے کے ساتھ مصنّف نے سرسیّد کی بعض کتابوں سے استفادہ بھی کیا ہے اور ان کے مندرجات کو "تبجیل التنزیل" میں حوالہ اور استناد کے طور پر پیش کیا ہے۔ چنانچہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ذیل میں وہ جب یہ بحث کرتے ہیں کہ دوسری الہامی کتابوں میں بسم اللہ موجود ہے کہ نہیں وہاں وہ لکھتے ہیں کہ:

نزولِ قرآن کے بعد جب اہلِ کتاب نے اس کے شروع میں بسم اللہ کو دیکھا تو انجیل کے آغاز میں بھی بسم اللہ لکھ دیا، بعض نے انہی الفاظ کے ساتھ اور بعض نے ایک دو لفظ کی تبدیلی کے ساتھ۔ چنانچہ تبیین الکلام نیچری، جو کہ توریت کی چند آیات کی تفسیر ہے، مصنف نے نویں مقدمہ کے صفحہ نمبر ۲۵۳ پر لکھا ہے۔ انجیل کے عربی ترجمہ میں جو کہ قدیم قلمی نسخہ ہے، ہر انجیل کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہے اور نصرۃ المطابع میں انجیل کے عربی ترجمہ کا نہایت قدیم قلمی نسخہ ہے اس میں بھی ہر انجیل کے سرے پر بسم اللہ لکھا ہوا ہے [۴۶]۔

ماخذ تفسیر

اس تفسیر کے بنیادی ماخذ احادیث اور توریت و انجیل ہیں، کتب حدیث میں صحاح ستہ کے علاوہ موطا امام مالک، مستدرک حاکم، مسند دیلمی، سنن دارمی، بیہقی، مسند امام احمد بن حنبل، معجم طبرانی اور تاریخ ابن عساکر اور حلیتہ الاولیاء مولفہ ابو نعیم اصفہانی کی روایات نقل کی گئی ہیں۔ توریت و انجیل کے علاوہ ان کی تفسیروں، لغات اور کتب تاریخ سے بھرپور مدد لی گئی ہے۔ مثلاً فقہ مذہب نصاریٰ، تفسیر زبور مؤلفہ پادری یوسف، لغت کتاب مقدس، تحقیق دین حق، مفتاح الکتاب، تواریخ کلیسیا، ترجمہ قرآن و حاشیہ علماء نصاریٰ، تاریخ یوسف اور مقامات معروف کے اقتباسات اور حوالے جا بجا ملتے ہیں۔ قرآن کریم کی جن تفسیروں سے استشہاد اور استفادہ کیا گیا ہے اور ان کے اقتباسات نقل کیے گئے ہیں، ان میں قاضی بیضاوی کی انوار التنزیل، شیخ سعدی کی تیسیر الرحمٰن، امام رازی کی تفسیر کبیر، امام نسفی کی مدارک التنزیل، کمال الدین حسینی واعظ کاشفی کی تفسیر حسینی، شاہ ولی اللہ دہلوی کی فتح الرحمٰن، شاہ عبدالعزیز کی فتح العزیز اور شاہ عبدالقادر کا ترجمہ قرآن خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ان تفسیروں میں فتح العزیز اور تفسیر حسینی کے اقتباسات زیادہ پائے جاتے ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں درمختار، شرح وقایہ، تحفتہ الاخیار وغیرہ کے حوالے ملتے ہیں۔ دوسری کتابوں میں دبستان مذاہب، مولانا عبدالرحمٰن جامی کی شواہد نبوت، حاجی محمد زمان خاں شہید کی خیر المواعظ اور سرسید احمد خان کی تفسیر اور تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علیٰ ملتہ الاسلام کے حوالے دستیاب ہیں۔ ان کتابوں کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابوں کے حوالے ملتے ہیں، مگر یہ ساری کتابیں اولیں ماخذ کی نہیں، بلکہ بعض ثانوی درجہ کی ہیں اور بعض ان کے معاصرین کی جن کا معیار اور وزن محقق ہیں۔

حواشی

۱۔ فہرست نسخہای خطی فارسی پاکستان، ۱۶/۱

۲۔ عبدالحی لکھنوی، نزہتہ الخواطر، حیدرآباد، ۱۹۸۱ء، ۴۸۷/۸

۳۔ واقعات دارالحکومت دہلی، ۴۱۷/۲

۴۔ تجمیل التنزیل ص ۲

۵۔ ایضاً، ص ۲۶

۶۔ ایضاً

۷۔ جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، بیروت، باب ۷۹

۸۔ تجمیل التنزیل، ص ۱۳

۹۔ ایضاً، ص ۱۶

۱۰۔ اس خصوصیت کی حامل کم ہی تفسیریں لکھی گئیں، ایران کے شیعہ عالم آغا محمد جواد بلاغی کی آلاء الرحمٰن نامکمل اور ہندوستان میں مولانا حمید الدین فراہی کی تفسیر نظام القرآن نامکمل، پاکستان میں مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کی تفہیم القرآن اور مولانا امین احسن اصلاحی کی تدبّر قرآن میں کسی حد تک اس رجحان کی نمائندگی ہوتی ہے۔

۱۱۔ تجمیل التنزیل، ص ۱۰
۱۲۔ ایضاً، ص ۱۲
۱۳۔ ایضاً، ص ۷۸
۱۴۔ ایضاً، ص ۸
۱۵۔ ایضاً، ص ۱۰
۱۶۔ ایضاً، ص ۳۸
۱۷۔ ایضاً، ص ۳۹
۱۸۔ ایضاً، ص ۴۴
۱۹۔ ایضاً، ص ۲۵
۲۰۔ ایضاً، ص ۳
۲۱۔ ایضاً، ص ۷
۲۲۔ ایضاً، ص ۹۵
۲۳۔ ایضاً، ص ۱۸
۲۴۔ ایضاً، ص ۱۸۵
۲۵۔ ایضاً، ص ۵۹
۲۶۔ ایضاً
۲۷۔ ایضاً، ص ۶۱-۶۰
۲۸۔ ایضاً، ص ۵۹
۲۹۔ ایضاً، ص ۵۰
۳۰۔ ایضاً، ص ۴۲
۳۱۔ ایضاً، ص ۴۵
۳۲۔ ایضاً، ص ۲۰
۳۳۔ ایضاً، ص ۲۴
۳۴۔ ایضاً ص ۲۷
۳۵۔ ایضاً، ص ۳۷
۳۶۔ دیکھیے موریس بوکائے، بائبل، قرآن اور سائنس، علی گڑھ، ۱۹۸۲ء ص ۳۰۸-۳۰۹
۳۷۔ عبدالرحمٰن مومن، قصہ فرعون و موسیٰ، نئی دہلی، ۱۹۹۲ء، ص ۴۸
۳۸۔ تجمیل التنزیل، ص ۵۰-۵۱
۳۹۔ ایضاً، ص ۶۳
۴۰۔ ایضاً، ص ۶۲
۴۱۔ ایضاً، ص ۸۸-۸۹
۴۲۔ ایضاً، ص ۸۹
۴۳۔ ایضاً، ص ۳
۴۴۔ ایضاً، ص ۲۱
۴۵۔ ایضاً، ص ۴۳
۴۶۔ ایضاً، ص ۳-۴